

توکل ز مای



علی

نوکے باں



نوکِ زبان

عدم

اداره فریخ اردو لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

بار اول ، نومبر ۱۹۵۹ء

قیمت : دو روپے آٹھ آنے

پریس : نقوش پریس ، لاہور

ناشر : محمد طفیل مالک ادارہ فریخ اردو لاہور

چرخ کے اجرام کہنے کی تنک تابی کہاں
اور کہاں تخلیق کا چڑھتا ہوا تازہ شباب
ریزہ ریزہ ہو کے افسردہ خلا میں کھو گیا
اگیا تھا اس خم ابو کی زد میں آفتاب

عدم :

ہے طفلِ دل کی جند پر صنم کی تلاش میں
عالم کچھ اس طرح مرے عہدِ شباب کا!
جیسے کسی ادا اس تارے کے ساتھ ساتھ
سُنان جنگلوں میں سفرِ ماہِ تاب کا

پچھنے لگا تو ماہِ یہ بولا غرور سے
تھا مغتتم جہاں کے اندھیروں میں اپنا دم
اب کون ہے جو رات کو بختے گاروشنی
جگنو نے مسکرا کے کہا "بے وقوف، ہم"

یہ لمحہ کٹ گیا ہے جو دھارے سے قوت کے

یہ لمحہ جس میں کبھی زید و زبور نہ ہو

سویا ہے میرے زانو پر سر رکھ کے وہ صنم

اس جاں فروز شب کی ابد تک سحر نہ ہو

ویرانی گماں کو عقیدت سے پہنچ کر

شادابی حیات کا سماں بنا دیا

عنیا ترے وجود کو کرتی رہی تلاش

ہم نے تیرے خیال کو یزدان بنا دیا

ممکن بقدرِ ظرافت نہ ہو سافیا اگر

کچھ تو کٹا دہ خُستے کر بیانہ چاہئے

شبنم سے کیا مجھے گی گلستاں کی تشنگی

کہتی ہے ہر گلی مجھے میخانہ چاہئے

اس کارواں سرا کی مسرور کتا ب ہیں

یکسا کہیں ضرور گدا کا بھی نام ہے

مے زلفِ عنبریں ذرا لہرا کے پھیلنا

اک رات اس عین میں مرا بھی تیا م ہے

بربادیوں کے حُسن سے آباد ہے نظر!

بارانِ آبِ زر سے دلِ داغ دار پر

یوں نوحہ خواں ہوں زیست کے احوال پر عدم

بیٹھا ہو جیسے خود کوئی اپنے مزار پر

او بد گھماں! تو جتنا بھی چاہے گریز کر

بندہ ترے ملاپ کا اُمیدوار ہے

تُو چھپ کے جائے گا بھی تو جائے گا کس طرف

کہتے ہیں جس کو زیست تری رہنزار ہے

جو رُوح بھی خُدا نے بنائی ہے نور ہے

ہر رُوح میں اُسی کی ہلک ہے سُور ہے

کہتے ہیں جس کو رُوح وہ ہے پر تو خُدا

کہتے ہیں جس کو جسم وہ اُس کا شعور ہے

قرآن کے فیصلے سے تو انساں ہے امرِ حق

اور امرِ حق سے سہو کا امکاں نہیں کوئی

سہو بشر کو کیوں نہ کہیں پھر رُخائے حق

اس کے بغیر حُجَّتِ عصیاں نہیں کوئی

سمہاں لے کر سنا و خرابا تہ کہ اگر

حانا ڈاڑھی صبح انا کاسے بھی بیاؤں گا

یہی کچھے کماؤں بیاؤں ہیں و دسترا

میں کس کس کے ہاں کماؤں کماؤں

یہی کچھے کماؤں بیاؤں ہیں و دسترا

ماں بقیہ حقیقہ خمدار کس کس

غائب ہے پیرانا نہ اس سال تیرا

بنت زنی تیرا نہ کماؤں کماؤں

اِس حادثے کی اوٹ ہیں اِسے شیخ بے خبر
 خود خالقِ جمال کا اور اکِ پاک کھت
 تہمت یونہی جنابِ زلیخا پہ آگئی
 یوسف کا پیرہن تو ازل ہی سے چاک تھا

یوسف کی طرح یارِ ترے کوئے ناز ہیں
 کس قیمت گراں پہ خریدے گئے ہیں ہم
 جو کو بھی باخشا نہ زمانہ خریدتا
 اِس منبر کو تاں پہ خریدے گئے ہیں ہم

مُسنّتے ہی اُس حسین کے انکار کی خبر

یوں طبع سرکشیدہ و سرشار گئی

سپینے میں دیکھ کر کسی آندھلی کا زبردِ علم

جیسے کہ دفعتاً کوئی دیوار گر گئی

مُجد کو تری گان، سنجے منیب اکی تنہا

بی بی قی آگاہی ہے، وہ تیرا شو سے

ہیں جس قدر قریب ہوں، مجھ سے

نہ اپنے قریب ذات سے اتنا ہی دیر

تو آگیا ہے گرم سے حجرے میں اسے پیر

مجھ کو بخانہ شانِ امیرِ الابر کی

دو چار عاتقوں کی بھی خدمت نہ کر سکے

اتنی تنگ نہیں ہے طبیعتِ فقیر کی

یہ کوئی اس قدر بڑا حسادۂ نہیں

تو رقی و عاطفت ہے مے دستگیر کی

اس درجہ کیسے نکال سکوں بابشاہ کو

بے درجہ ظلمتِ سب سے طبیعتِ فقیر کی

کوئے مغال ہیں رات ہوئی اتفاق سے

کل شب عجیب بات ہوئی اتفاق سے

وہ گرتے گرتے میسے ہی پہلو میں آگئے

کیا طرہ واردات ہوئی اتفاق سے

دیکھا ہے تُو نے جب یہ محبت کی پہچان

نقطہ زناش بوسکا نفسِ میر بن گئی

مُردہ نہ تھا ہنسنا تصورِ زری اُڑ

وہ انسان سے مری تھا بڑے ہن گئی

اُس راہ سے چلو جو رہ انبساط ہے
 اُس کی طلب کرو، جو حقیقی نشاط ہے
 ثابت قدم نہیں ہو تو نقصاں اٹھاؤ گے
 کہتے ہیں زندگی جسے اک پل سراط ہے

اک بر محل ادا بن تو ہے رمزِ زندگی
 جو حرف ڈٹ گیا وہی افسانہ بن گیا
 جو سوچتا رہا، رہا گستاخ و نامراد
 جو بڑھ کے حل گیا وہی پروانہ بن گیا

کرتے ہیں جس کو یادِ محبت کے نام سے

اُس شہوتِ قلب کا کوئی چارہ نہ ہو سکا

اسے دوستِ انتلافتِ طبعیت کے بارِ بڑ

بہم کو تراشے سراق گوارا نہ ہو سکا

شیشہ اٹھا کہ مصلحتِ رقت ہے یہی

بربط بجا کہ مصلحتِ رقت ہے یہی

باہیں نہ کیلچ زلفِ منہنبر بکیر کر

پہلو میں آ کہ مصلحتِ رقت ہے یہی

آتے ہیں جس جگہ سے سمابوں کے تانے
 میرا گماں ہے بادِ گساروں کے شہر میں
 کوئی غلا نہیں ہے تھی ممکنات سے
 افلاک کے پرے پٹی نگاروں کے شہر میں

سائل رہیں یہ بیچ میں کیوں عارضی حجاب
 نشہ نہ کیوں نظر کا تجلی سے جوڑ دوں
 اس سلسلے میں پہلا کر شہہ یہی کروں
 ہمارے اس کے جامِ کُشبِ گیدوں کو توڑ دوں

مشعل جلا کے کوئے عنہم کا کروطواف

شیشہ اٹھا کے وادی شاداب میں چلو

اُٹھو! بھیر دی ہیں سیسوں نے کا کلیں

کہتی سیے رات قریہ مہتاب میں چلو

یہ سہو فی و فقیہہ، یہ سلطان و محتسب

یہ ملتِ سموم و شہزادِ مہیکدہ

یہ تاجرانِ منصب و زر، اور اس بے گد

ساتی خدا کا خوف - گنوار اور مہیکدہ

اب مجھ کو یہ تو علم نہیں اسے مرے خدا
 کون اس نگار خانے کی ندو میں حلول ہے
 آتے ہیں ہر روش سے ترے ہی مجھے پیام
 جس گل کو دیکھتا ہوں وہی اک رسول ہے

لبوس رنگ و بو میں ہے یہ کون جلوہ گر
 اقلیم صوت و ساز میں کس کا غرام ہے
 جاری ہے میرے دیدہ دل کا مطالعہ
 ہر نتیجہ اک کتاب ہے ہر پھول جام ہے

وہ شہد اور شفیق بھرنی بندیں کہانے کہیں

مہتاب سے حسدیں وہ مکے خواب کیانے

زاد و شہین کے مثل سیانہ زم اور رنگ

اے ہوسیم ہمار وہ احباب کیا ہونے

کچھ اُن کے جاننے والے مراحم کی تلباؤ

کچھ اُن کی آنے والی ملاقات کی خوشی

ہم سے خواب ہمالوں سے پتے کوئی ذرا

کیا پیر ہے خرابی حال است کی خوشی

یہ کوئی اس قدر بھی بڑا حادثہ نہیں

فداست کی چند خیر کے اندر رچی رہتی

ہر وقت ایک قدم اٹھاتا تھا راہِ شوق میں

منزلِ تمامِ عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

یہ سب کچھ گو کہ صاحبِ ادراکِ راز تھا

لیکن یہ لیبِ صدقِ زلیخا نہ ہو سکا

روائی کے لئے بھی بے لازمِ خلوصِ عشق

ہر بارہو کس حبان میں رہوا نہ ہو سکا

یا رب مُعاف کر مرے اس حُسنِ سہو کو

یہ حُسنِ سہو، حُسنِ عقیدت کی بات تھی

میں نے ہر ایک چیز کو اپنا سمجھ لیا

جُھ کو خبر نہ تھی یہ تری کائنات تھی

ہم تشنگانِ شوق تو بھوکے ہیں بات کے

مقتدر یہ ہے کسی نہ کسی ڈھب کے بات کو

اخلاص سے اگر نہیں گنجائش سُن

اے جانِ زندگی کسی مطلب سے بات کو

چھوٹے سے اک مذاق کو کس احتیاط سے

اک دلفریب فتنہ دوراں بستا دیا

کچھ جھوٹ بچ رہا تھا حسینوں کی ٹوٹ سے

اُس کرکسی نے شیخ کا ایماں بنا دیا

بچہ کو خیر بھی سب سے کہ اس انداز کا تھا

کہیں اور کس باب سے تیرا دم آگیا

ہیں بارہا تھا تیرے رشتہ کے ساتھ ساتھ

رشتے ہیں یونہی غمِ عالم اجسام آگیا

قطرہ گراؤرائی کر سے حفظ آبرو

دریا کی عظمت سے زیادہ عظیم ہے

دریا کو کیا خبر کہ حدت کے نتیجہ میں

ایسی بچی اک کر ان ہے جو دریا عظیم سے

مسجد کی چھب ہے اور نرا غمزہ نہیں

زاہد پہ خار و بار بڑے بہترین ہیں

فیروزے سے بھی نکلتا نہ اس نامہ سے بڑا

باہر جو لوگ ہیں وہ ہم سب کا بند ہیں

کتنا ہجوم رنگ ہے، کیا بیکراں وہاں

ہر ذرہ سخن باغ کا اک جو شب ہے

لیکن یہ حادثہ ہے کہ اس رت میں بھی عدم

پیوست، ہر کلی کیلئے میں خار ہے

بہتے ہیں طائرانِ جواں شوق و خوش نظر

پیشانیوں پر، حسین، مکتے دیار ہیں

ذیر و حرم ہیں کھوم کے اسے پیر پیکرہ

لوں آؤں گائیں موسمِ ابر و بہار ہیں

ترکش کو دیکھ اور کوئی دلدوز تیرہن
 گنجائشیں بہت ہیں ابھی قلوب زار ہیں
 تو ہاتھ دوشیں غیر پر رکھ کر چمن میں آئے
 ہم چشم ز دیکھ سکیں گے ہزار ہیں

بلنا ہی پڑ گیا تجھے ہم کو بھی اسے سہیں
 آشوب و خلعشار کے دن ہی گزر گئے
 ناگاہ صبح شاد زار ہو گئی
 بیکسوت انتشار کے دن ہی گزر گئے

اے شیخ اپنے باب میں مجھ کو یہ علم ہے
 گو بادہ کش ہوں پھر بھی فرشتوں سے پاک ہوں
 کچھ بھی نہیں ہوں پھر بھی فسدت تو ہے عسروہ
 ابن علی کے پائے مقدس کی خاک ہوں

وہ دور کے مسائل مہم و بے سراغ
 یہ سامنے کا حادثہ بیع و شام ہے
 یزدان و اہرمن کی توفیق خیر نہیں
 انسان ایک تلخ حقیقت کا نام ہے

بڑی والہانہ عقیدت کے ساتھ

کہتا اُن کو اپنی سناتا گیا

وہ گہرا کے آپس بٹھکتے گئے

میں لہر کے بڑبڑاتا گیا

ہر اک ساز میں اُس کی آواز ہے

ہر اک پھول میں اس کی تصویر ہے

آسے ڈھونڈنے کا تکلف ہی کیا

خدا کو تو خود شوقِ نشہ ہے

پیشکش ہوں جام و شراچی لئے

عسا! آن تو میرا اک۔۔ کام کر

پتہ شاخسہ امانِ صحنِ چین

اخیر سے ہی آ، اس طرف۔۔ تمام کر

استے چھوڑ دو اس کئے سب لان پر

وگرنہ وہی بات ہو جائے گی

شراب کو پُرانی کستابیں نہ دو

شرابِ روایات ہو جائے گی

صُراحی کی آواز میں حُسن ہے

پرندوں کی پرواز میں حُسن ہے

وہی ہے ہر انداز میں جلوہ گر

اُسی کا ہر انداز میں حُسن ہے

اری ! اور ستارہ جہیں جو گنبد !

نہیں جس سے شوقِ ملاقات ہے

کہاں خانقاہوں میں اس کا گزیر

وہ جوگی تو رہیں شرابا است ہے

رفتہ رفتہ اُس حسین کو قتل کرنا آگیا

ہوئے ہوئے مانگے ہیں سینہ دیکھنا آگیا

اُس کی خود بینی کو جہانم کی خاطر قدرتِ

ماشعور کو بھی جگر پر ماتحت دھرنا آگیا

مانگے ہیں سینہ دیکھنا یہ بینی اُن ہوئے

لے دوں یہ بند غلام اکسڑوں میں شہد رس

پاس اُس دلی کے بہت جاننا اُلجھا رہے ہیں

اِس کو مس کرتے ہی تمل جاؤ گے اے اہلِ ہوس

چرخ کے اجرامِ اُمنہ کی شکستہ تابی کساں

اور کہاں تخلیق کا چرٹھتا ہوا نازہ شباب

ریزہ ریزہ ہو کے افسردہ ندلا میں کھو گیا

اگیا تھا اس خمِ ابرو کی زد میں آفتاب

میں بتاؤں کس طے تخلیق میں نہ ہوئی

اور کیسے عکس گاہِ اُٹنی نہ بستی کی راست

گر گئی سجدے میں اس زہرہ جہیں کو دیکھ کر

جا رہی تھی آسماں پر پاند تاروں کی براست

خسرو کی جستجوئیں ہیں سر گرفتہ

جہنوں کا زمزمہ آتش بجاں ہے

عمل اور سوچ ہیں سہے فرق بکشتہ

کنارا چمپ ہے اور دریا رواں ہے

خسرو کی تلخیوں سے کو لگائیں

کہ ناواں کے سادہ پتوں روئیں

کتاب زندگی پیش نظر ہے

سکھو! اب کون سا باب اس کا کہو

پیالہ دے شہور آگئی کا

اندھیرے راستہ روکے کھڑے ہیں

نگاہ ہوش کیب افشا کرے گی

بڑے پردے جمالوں پر پڑے ہیں

ذرا دیکھو تو کیسا دلچسپ ناوک

مقامہ کے کماچے ہیں گڑے ہیں

جواب اُن ہی کے مانگے تھکے ہیں

نِشاں جن جن سوالوں پر پڑے ہیں

اندھیرے بھی ہیں کیا دلکش اندھیرے

جو میخانے کی چوکت پر جڑے ہیں

نگاہیں چور ہیں نیندوں سے اُن کی

گھنیرے بال گالوں پر پڑے ہیں

مقام بدگمانی سے چلی تھی

جو اسے سب نے خودی میں کھو گئی ہے

فرات موسم گل تار پڑ کر

کریمان دریدہ ہو گئی ہے

جوانی روشنی ہے اس نگر کی
 محبت کائناتِ زندگی ہے
 خدا کا بُت بنا کر اس میں رکھ دو
 مرادِ سوسناتِ زندگی ہے

وہ بانگی آنکھ مستانوں کی خاطر
 ذرا وجہِ شکیبائی ہوئی ہے
 بڑی بے لذتی سے جی رہے تھے
 خدا کا شکر رسوائی ہوئی ہے

پیائے کس لئے شوق ہو گئے ہیں

اُجائے کس لئے غش کھا گئے ہیں

ابھی تو فصلِ گل کی استدا نشی

ابھی سے پھول کیوں مرجھا گئے ہیں

پلا اسبابِ ظاہر با سلیقہ

عماری سمست بھی جام آ رہا ہے

خدا کا آئسہِ اتم دے گئے تھے

خدا ہی آج تک کام آ رہا ہے

ہماری تشنگی سے آج ساتی

شرابوں کا جگر خستہ رہا ہے

نگاہوں سے ذرا پیرا سب فرما

کہ مینخانہ تو بچتا جب رہا ہے

جو الی ہمیشہ قیمت سا دینے سے

محبت خوب صورت درود سے

اب تک اس شاعر نے کیا کیا

پیرا مینخانہ ہم سب سے

مرے جینے کی بے مقصد نیت

اپنا تک حرفِ مطلب ہو گئی ہے

ٹھہاری اک نظر نائن ہوئی ہے

مری دنیا مر چکے ہو گئی ہے

مے اصحاب کی تپتی جہنم

نہیں ٹھہرے گنہگار ہو گئی ہے

بس اب زلفِ پریشاں کو سنبھالو

مرا ایمان ہے شب ہو گئی ہے

ابد سے جا ملا ہے غم ازل کا

کہانی اسب کہانی ہو گئی ہے

ترسے ملنے کی مہم سی توقع

جیسا ست جاودانی ہو گئی ہے

مرے شیشے کے ٹخنے سے چانک

شکر کہیں ترا جام آ رہا غشا

ترپ کر میں سنے تو بہ توڑ دالی

تو ہی رحمت پہ الزام آ رہا غشا

میرے مذہب میں تو حلال ہے

پہ اس وقت جب ٹو ساتی ہے

وہ خدا بھی خدا ہی لیکن

تو مرا ذریعہ اشتیاق ہے

کاش اک روز تیرے کوچے میں

یہاں گروں لڑکھڑاکے مست و خراب

تو یہ پوچھے کسی سے کون ہے یہ

اور کیوں پی گیا ہے اتنی شراب

یہ میکدسے کی گلی خانقاہ سب سے میری

یہ مے نہیں ہے مگر رسم و راہ سب سے میری

وہ جس کی رُوسے برابر ہیں دوست اور دشمن

خدا گواہ وہ خوشے نگاہ سب سے میری

یہ اتیاز نہیں ظاہر ہی بھارت سے

یہ اتیاز فقط بالائی جمال سے ہے

وہ دیر و کعبہ ہوں یا خانقاہ و زیار

غرض تو نہ فہم ہیں بار کے دل سے

گناہ پر نہیں کو اختیار کچھ اپنا
 مگر گناہ کی غنیمت کو جانتے ہیں ہم
 سب سے اتنا ہے محبت کہ تیری لغزش کو
 ادب سے اپنی ہی تقصیر مانتے ہیں ہم

مطالعے کے لئے تاب وید لازم ہے
 بے تاب وید ہن کتاب نہ کر

شراب پی کے مجھے آگے کھول دے

ابھی چمکتے ہوئے رخ کو بے نقاب نہ کر

اُسے ہیں زہرہ جبینوں کے رخ سے یوں پردے

شب سیاہ شب ماہ منہتی جاتی سب سے

جو بات بن نہ رہی تھی مریں دعاؤں سے

وہ اتفاق سے ناگاہ منہتی جاتی ہے

ترقی نگاہ سے شاید بجا اُتر آئے

مرقی نظر سے برابر خراب اُترتی ہے

اُتارتا ہوں جو تصویر اپنی حالت کی

وہ اتفاق سے اکثر خراب اُترتی ہے

مثالی شبنم و رنگ و سحاب اُترتی ہے

شراب غیبی نہیں ہے شراب اُترتی ہے

نزول ہوتا ہے یوں زمین پر معارف کا

کہ آسمان سے جیسے کتاب اُترتی ہے

بہ اتفاق اگر آہمی جانے ٹھوڑے سے

خدا گراہ کہ یوں خجوم کر نہیں آتی

پست بھی جاؤ عدم آج ان کی زلفوں سے

یہ رات وہ ہے جو بارِ دگر نہیں آتی

اگرچہ عادتِ مذمت کشتی نہیں رہم کو
 خلافتِ طبع یہ تکلیف بھی اٹھالیں گے
 ابھی یہ عالم تفریحِ قسم سے کیسا نکلیں
 کبھی بدلتی ضرورت، پھیں صدا دیں گے

ذرا سا آپ تعاون کریں تو ممکن ہے
 مراد یہ سارے مشابہات کٹ جائے
 حضورِ پانڈوی باہیں اگر کریں شایاں
 بعید کیا ہے یہ تاریکے ات کٹ جائے

گنتی ہے ہم یہ بھی تھوڑی سی اصلیت اُس کی

ہمیں بھی تھوڑا سا اس طفل سے فراغ ہوا

ہمیں تو کتنا تھا اُس سے نہ میں ملوں گا کبھی!

کسی کو دیکھ کے دل کتنا باغ باغ ہوا

مرے مزاج میں بھی ہو رہی ہے تبدیلی

مرا شعور بھی سب زار ہوتا جاتا ہے

زیب دیکھ کے آج اک حسیں گوالمن کو

مجھے بھی عشق کا آزار ہوتا جاتا ہے

یہ اس قبیل کی فن کاریوں کے ماہر ہیں

یہ اس قبیل کی بیداد کسب نہیں کرتے

جنابِ داوڑِ محشر! یہ میری سرِ دُعا؟

ذرا خشتوں کو حضرت! طلب نہیں کرتے

جاننا تھا جس کے در پہ تجھے بھی میں چھوڑ کر

وہ آکے ایک دن مراد رکھتا ہے گا

یا رب ترے جہان میں، تو خود ہی عدل کر

ایسا بھی دورِ قحطِ محبت کا آئے گا

ہماری قوتِ بازو سے رزق اُگتا ہے

زمین کے پیٹ سے سونا کشید کرتے ہیں

وزیر؟ اُس کی تو اوقات ہی بھلا کیا ہے

ہمارے مال پر سلاطین بھی عید کرتے ہیں

نہیں ہیں کچھ بھٹی تو دہنقاں تو ہیں حلیت سے

نزیب ہو کے بھی عالی وقار ہیں ہم لوگ

وزرائے کو، تمھیں چاندی سادو دپیش کریں

مسافرو! بڑے خدمت گزار ہیں ہم لوگ

قیامت کے مُعینِ دین سے پہلے
 ہزاروں شر برپا ہو گئے ہیں
 خُدا کے واسطے وعدہ وفا کر
 کئی امروز فردا ہو گئے ہیں

یہ کیسے حادثے سرزد ہوئے ہیں
 یہ کیسی وارداتیں ہو گئی ہیں
 تماشا تیرگی سے ڈر رہا ہے
 بنگاہیں بے بسی کیوں گئی ہیں

کل وہ تھتھے تو اور ہی ہست کچھ سماں

آج وہ شاداب جولانی نہیں

آج ساحل بھی سہے نگہیں اور اُداس

آج دریا میں بھی طُنبِانی نہیں

سبے گھٹا کی حال بھی کچھ دلربا

اور ہوا کا کام بھی مستانہ ہے

میری توبہ پر نہ چھینٹا آپڑے

دور میں آیا ہوا پیمانہ ہے

چھپ چھپ کے یہ کیا رسم و ردِ عشق مری جاں
 یہ شعلہ خاموش بھڑک جائے تو بہتر
 تعبیر جسے کرتی ہے رسوائی سے دنیا
 وہ چاندنی ہر سمت چھٹک جائے تو بہتر

تو جانِ خرابات ہے اسے پریم کی جو گن
 مندر سے نکل پہلوئے میخوار میں آ جا
 سنگین دریچوں سے نہ کرہم کو اشارے
 مٹنے کا ارادہ ہے تو بازار میں آ جا

کہیں خود نے اعصاب پتھر کی ہیں شرابی

کس خشک دیکھے آغوش میں یہ رات ہوئی ہے

مذہب کے جگانے سے بچ اُٹھتے نہیں مکیش

کیا اوٹ کے اس مرتبہ برسات ہوئی ہے

یہ چاند، یہ چشمہ، یہ چین بس نہ ہوئیں

خوشبو کے دیرپوں میں ترنم کی صدا نہیں

آنکلیں اگر آج ادھر حضور مسیحا

دو گھنٹہ انہیں اپنے پایے سے پلا نہیں

ایسے نہیں اور اتنی اگر رنگ کے کھلتے
 تحقیق کی تھوڑی سی انہیں آہنچ دکھادو
 مالی کا ارادہ ہے کہ غنچوں کو مسل کر
 گلزار کو گلزار کی تفسیر بسنادو

ہونے کو ہے بیدار گل و بل کی سماعت
 اب وقت ہے زنجیرِ عدالت کو ہلا دو
 اے بلبو! یوں چیتو! کہ کھل جائیں معانی
 بکے ہوئے الفاظ کو تقریر بسنادو

اُمید نہیں ہوتی جہاں اُن کے قدم کی

ہوتی ہے وہیں اُن سے ملاقات ہمیشہ

دیران ہیں افساں سے روایات کے منہ

آباد ہیں رندوں سے خرابات ہمیشہ

کچھ باعثِ ہجرانِ خیالاست تو ہوگا

کچھ حجتِ مدہوشیِ جذبات تو ہوگی

وہ تو یہی کہتے ہیں کوئی بات نہیں ہے

لیکن ذرا سوچو تو کوئی بات تو ہوگی

کیسے کیسے سلیم انداز سے

کیا غلط گاہ گاہ ہوتے ہیں

کیسے کیسے عظیم بندوں سے

کیسے کیسے گستاہ ہوتے ہیں

کچھ قدح نوشیاں بہ عجبیت گل

کچھ غزل خوانیاں خسرو ری ہیں

اس خرد کے خراب خاصے ہیں

چند نادانیاں خسرو ری ہیں

تیری تسبیح میں گھر دو عدد

تیری مالا میں صرف دو دانے

دیکھنا یہ ہے دیکھنے والا

کس کے دھماکے کی قدر پہچانے

فرش تو بچھ چکا ہے چندن کا

کب پڑھے گا مناز دیوانے

شیخ کی زندگی دراز نہیں

جل بھی جا بد تعیب پر دانے

اُن کے جانے سے دم نکلتا ہے

اُن کے آنے سے جان پڑتی ہے

اُن میں اور ہم ہیں فاصلہ ہی کیا

زندگی درمیان پڑتی ہے

گلشنِ راز کے پرندے ہیں

بزمِ اسرار کے قلمند رہیں

کھائیں گے کیا فریبِ بستی کا

ہم عدمِ پار کے قلمند رہیں

آنکھ جب تک نہ ہو غم آلودہ
 اہتمام سکون نہیں ہوتا!
 لکاش یہ دل، یہ غبط کا مرتد
 ایک دن پھوٹ پھوٹ کر رہتا

اہل دل ہیں کہ عاصیوں سے بھی
 خیر کی رسم و راہ رکھتے ہیں
 سبے ہنر ہیں کہ صفت لوگوں کو
 خامیوں پر نگاہ رکھتے ہیں

عسیر رفتہ کو ڈھونڈنے والے

اب تو دھوکا وہ کھا نہیں سکتی

تو ہی اب اُس کے پاس جائے گا

وہ ترسے پاس آ نہیں سکتی

آج کچھ اتفاق ایسا ہوا

ہم نے مانی نہ یار کی باتیں

ورنہ کس قدرتی طریقے سے

بن رہی تھیں بہار کی باتیں

سرکشی دیکھتا ہے اور پھر بھی

پیکر بخشش و خطا ہے تو

کتنے اچھے پورے فقیر ہیں ہم

کتنا سبھا ہوا خدا ہے تو

زرد مست کر ملال سے پھرہ

رنگر سب پی اور گلابدن ہو جا

حال و نشو و اکا چھوڑ اندیشہ

لے اٹھا جام اور گمن ہو جا

ماسوا تُو ہے، ماورا ہے تُو
 کس طرح چھپ سکے خدا ہے تُو
 باقی ہر چیز درمیاں کی کڑی
 ابتدا تُو ہے، انتہا ہے تُو

گو مرے دامِ عدت میں ساتی
 تیشری دُھن کی آ نہیں سکتی
 میں بھی وہ تلخ حُسنِ بادشہ ہوں مگر
 جس کو دُشیا بُھلا نہیں سکتی

زندگی بھی ہے وہ حسین چھین

جانا چاہے تو جا نہیں سکتی

موت کا نام بھی ہے مجبوری

آنا چاہے تو آ نہیں سکتی

آپ کے قرب کے قمت سائی

کیا کسی روز کامراں ہوں گے

ذکرِ محشر مُبالغہ نہ تو نہیں؟

واقعی آپ بھی وہاں ہوں گے؟

آپ کا بھر راحت جاں ہے
 جاں سے گزے تو سبے نشان ہوں گے
 آپ آئے نہیں نیست ہے
 آپ آئے تو ہم اماں ہوں گے

بیکار ! کتنے سادہ لوح ہوں تم
 کیسے آئے حساب کرتے ہو
 خار کی نوک کو جو دے کر
 انتظار گاہ سب کر سنے ہو

تھا رگِ جاں میں زخمِ مشتاقی

وہ اُسی زخمِ کُلیبِ رے

میں اُنھیں مَس بھی کر سکا نہ کبھی

وہ مرے اس قدر قریب رہے

زخمِ کُلیبِ کھل کے پھول ہوتے ہیں

ترنِ شکل و سول ہوتے ہیں

اک بہانہ ہے خود سیری کا

کس کے بھرے قبول ہوتے ہیں

کیا جس میں طرزِ سب سے تلافی کی
 کیا عجیب اندمال ہوتے ہیں
 لیجئے یہ ادا بھی خوب رہی
 حشر میں بھی سوال ہوتے ہیں

ہے یہی سادگی تو وہ فتنہ
 جس سے دنیا تباہ ہوتی ہے
 اور ہوتا ہی کب ہے اذِ ظالم!
 ایک ہی تو نگاہ ہوتی ہے

جیسے سُوفی سحر بیاباں کی

جیسے شامِ سیاہ ہوتی ہے

زندگی یوں ہے پارِ ساؤں کی

جیسے اکِ خافتا ہوتی ہے

تھا مقدر میں ایک اور سفر

اس لئے شہرِ مدعا نہ ملا

ہم پہنچ تو گئے تھے منزل پر

اتفاقاتِ تراپست نہ ملا

بھول کوئی حسدِید ہو جاتی

بیقراری شدید ہو جاتی

تم نے اچھا کیا نگاہ نہ کی

عاقبت باز دید ہو جاتی

لو! میں دل کا چراغ دیتا ہوں

اس کی تنویر بے ثبات نہیں

کتنی شمعیں جلاؤ گے صاحب

زندگی گرمیوں کی راست نہیں

آؤ بانٹوں میں ڈال دو بانٹیں
 کس لئے بچکچا رہے ہو تم
 ایک لمحہ تو ہنس کے بات کرو
 ایک مدت نہنا رہے ہو تم

کیا حسین حادثہ ہے بنتا ہوا
 کیا عجب بات ہوتی جاتی ہے
 زندگی کے نظم میں حائل
 آپ کی ذات ہوتی جاتی ہے

آدمی زاد کا تو ذکر ہی کس
 وقت و ماحول کی بھی پاس نہ ہو
 آج اک بات ختم سے کرنی ہے
 دیکھنا کوئی آس پاس نہ ہو

آ! ہماری پسند ہوتا جا
 اوجھیں سرکھیند ہوتا جا
 شہر یارا، گدا کی محبت سے
 دو گھڑی ارجھیند ہوتا جا

ہو سکے تو بڑی عقیدت سے

تا ابد اُن پہ جاں نثار کریں

اُن طوالت پسند زلفوں سے

کیا تقاضائے خنجر کریں

شمس تبریر کی نظر کے بغیر

مرلوی صاحبِ کتّاب نہیں

عشقِ تابانی فراست ہے

عشقِ نادرانی شباب نہیں

عشق ہے اپنا جوہ ذاتی

عشق اک مندرض منضی تو نہیں

آپ کتنے بھی خوب صورت ہوں

آپ معشوق ہیں ، نبی تو نہیں

غنچہ و گل کی کب حقیقت ہے

غنچہ و گل کی داستان کے ہوا

آپ کس کی تلاش میں گم ہیں

باغ میں کچھ نہیں خزاں کے سوا

تازہ دم ہو کے پھر سے چلنا ہے

تھم گئے ہو تو کوئی بات نہیں

موت سے خوش ہو کس لئے اتنے

قبر تو مقصدِ حیات نہیں

قبر تک جسم کی تگ و دو ہے

گرد کو سست کام کہتے ہیں

روح کرتی ہے جو سفر اُس کو

چاندنی کا خیر ام کہتے ہیں

ہو کے موجود بھی نہیں حاضر
 پاس رہ کر بھی دور ہیں ساتی
 چاندنی، روح، زمزمہ، خوشبو
 کس چین کے طیور ہیں ساتی

دوستی کے یہ طرز و طور نہیں
 کہ مگر اس قدر تباہ نہ کر
 ہاتھ کب جوڑتے ہیں ہم پنجہ سے
 اے عنیم زندگی تباہ نہ کر

سیاہ رات کی تنویر کے لئے ساقی
 کہیں ایانغ، کہیں گل چراغ جلتے ہیں
 مگر وہ میرا شبنانِ دل بھی کیا شے ہے
 جہاں ازل سے محبت کے داغ جلتے ہیں

گوزہ گروں کو خود بھی نہیں اس کی کچھ خبر
 کرنے بناس کے کتنا ستم ڈھا رہے ہیں وہ
 تلاشی سے کشوں کی مدارات کے لئے
 شاہوں کی گردنوں کے سبوتا رہے ہیں وہ

ہوا جو قطر سے ناراض ہے سبب دریا

تو بولا غیض سے چند ال دیکھا جائے گا

کہا جناب نے بھی سرادبِ خم کر کے

یہ بات ہے، تو بہر حال دیکھا جائے گا

تیری گلی ہی میں دیکھا ہے ان کو آوارہ

نسیم و نر بہت و نکلت عزیز ہیں تیری

چمن کی غارِ خفی چوب سے گدا کو کیا لینا

کہ پادار ہر ساریں کنیز ہیں تیری

ہم اپنے رازِ محبت کو شہر کر کے

حمایتِ رسن و دار کرنے والے ہیں

جونچ گئی تھی تری حفظِ آبرو کے لئے

وہ ک خطا بھی ہم اے یار، کرنے والے ہیں

اُن کے غلطِ خیلا بخش کو محبت سے

گواراست کردار کرنے والے ہیں

نہ لیا ہے ہم اُس کی رنجشوں کو بہت

اب اپنے جرم کا اقرار کرنے والے ہیں

مثالِ سنبل و ریحیاں اگر نہیں ملتے

مثالِ ناولک و پیکیاں ہیں ملو تو سہی

قسمِ خدا کی رگِ جاں بھی ایک بستی ہے

قریبِ شہرِ رگِ جاں ہیں ملو تو سہی

ملے شہرِ بچھے انوارِ باطنی کی اگر

تو رنگِ پرے نہ لگے زرد آفتابوں کا

تو میرے ہاتھ سے پی کر تو دیکھ اک سار

اس ایک بوند میں انبارِ سب کتابوں کا

مجھے تو چھوڑ، ذرا سی نہ کر مری پروا
 مرا مزاج تڑے ہجر سے نکلتا ہے
 خدا کے واسطے رخصت نہ ہو گشتاں سے
 تڑے بغیر بہاروں کا دم نکلتا ہے

شکاریوں کی مستم بے قوتیب بازو
 شکاریہ سید پیرن ہر گماں سے بھار لبت
 غیر زمانہ مجھے کر سکے گا کب از غم
 کس نے آبیہ واں کو چہ تیر مارا ہے

تو بہو کے واقفِ احوال، اسے پرہیزگار سے

برست رہا سے فقیروں سے بڑا دودھی

بہار سے سہو نظر کو ہوس کا نام نہ

بگاہ پڑتی بہت کم بخت، شبِ اراکین

ہمیں جفا کی جو نہ کار، کچھ ضرورت سے

ہمیں شورِ افراطِ حرصِ التفات نہیں

تعلقات سے ہوں تو یونہی ہونا ہے

یہ بدلتی کوئی بیگانگی کی با ست نہیں

جو تو سمجھتا ہے تاوان ایسی بات نہیں

یہ کائنات کسی کی کنیز ذات نہیں

فٹھے پیر کہ کہ محبت نے جام زردیا

کبھی کے پاس عمارتِ غم حیات نہیں

خرید لائے گی یوسف کو پیر زلیخا کوئی

دوبارہ عشق کے آزار نہ ہواں ہوں گے

وہ وقت دور نہیں جب اں کے سینے سے

بہارِ رفتہ کے انفاس پھرواں ہوں گے

خزان کی تیرہ وتاریک رکھزاروں میں

چراغِ شیشہ و ربطِ جلائے میں ہم نے

مزارِ غنچہ و گل کے نشاں نہ تھے پیدا

نسیمِ صبح کو رستے دکھائے ہیں ہم نے

یہ میرے علم کے فقدان کی دلیل ہیں

یہ میرے شبنمِ اختیار کا اک بہانہ ہے

سنا آ رہا ہے کہ خدا کا وجود برحق ہے

اگر یہ بات غلط ہے تو پھر خدا نہ ہی

یہ عاوشہ ہی تو ہے سحرزہ عقیدت کا
 یہ سحرزہ ہی تو رحمت مرے خدا کی ہے
 بکھر گئی ہے کچھ اس دلکشی سے وہ کمال
 کسی نے جیسے کڑی دھوپ میں عا کی ہے

مجھے تو اسے دلِ ناداں یقین نہیں آتا
 جیتتا ہے تکلیف دلربا دیں گے
 مخالفانِ حین سے یہ بدگمانی کیوں
 مخالفانِ حین کیا، حینِ بلا دیں گے

یہ تیری بارگاہِ ناز ہے فقط پیار سے

جہاں بھٹکنے کی درویش کو مجال نہیں

خدا، خودی کے تصور کی آخری حد ہے

خدا سے ملنا تو ایسا کوئی محال نہیں

جہاں کے گرم حوادث ہیں گھوٹنے والے

دلوں کے رنگ دور سے ترسے ہوئے

نہیں پسند ملاسم تو گھاس پر آہا

عزیزِ من! یہ کنارے ترسے لئے تو ہیں

شرکار خود نہیں کرتے کبھی پی زائے

وہ اپنے ترکش غمزہ میں تیر رکھتے ہیں

عدم جنوں سے کہو عقل دوست ہو جائے

کہ شہسوار غمنا و زیر رکھتے ہیں

صدائیں خسرو و سلطان کی یہ نہیں سنیں

قلندرہاں کی صدائیں ثناب سنتے ہیں

صدائے دو درخوہاں پہ نصف ثناب یاد!

بُھٹے لہجے سے، یہ آوازِ باب سنتے ہیں

گزرنا پڑتا ہے گو اس دیار سے سب کو

مگر یہ کہہ دو، کوئی اب نہ بے سبب گزرے

ہے باغِ دل میں بہاروں کی یاد سونے ہوئی

غزاں بھی گزرے ابھرے تو بادِ گھبرائے

یہ آدمی ہی تو ہے اک جوابِ یزداں کا

کہاں ہے دوسرا اُس کا جواب اے ساتی

مشیرِ بحر، اگر ہو تو کچھ تعبید نہیں

مُریدِ بحر نہیں ہے جنابِ اسے ساتی

ترسے بسوں کی لکیروں میں علم و عرفاں کی

گھلی ہوئی ہے درخشاں کتاب اے ساقی

اُٹھا نہ جام کہ صرف اک نمبر ہے تقسم سے

پیش کی سیجے رگوں تک شراب اے ساقی

بٹھے شریک نہ کر اُس گروہ کے اندر

وہ اور ہوں گے خودی کو بڑا کر آئے

ہیں خود نہ آیا تھا ساقی کہ خود چلا جاؤں

بٹھے بلایا تھا جس نے وہ چھوڑ کر آئے

کچھ اس طرح سے جُھابے مزاج بادِ صبا

کہ جیسے غنچہ و گل کی دعا بھی خراب ہو گئی

کسی کو اب کوئی شکوہ نہ ہو گا دُنیا سے

نسا ہے محنتِ سند باد بھی خراب ہو گئی

بہتر شکرِ دل ہو ادا تو کیسے ہو

یہ چیز تو نہیں موسمِ خیرِ سال کا پُر تو

تیری نماز بھی زاہد اُدرست ہو جائے

پڑے اگر کسی زُشرہ چمِ سال کا پُر تو

بڑی خوشی سے دو عالم پہ حکمرانی کر

میری طرف سے تجھے اختیار ہے ساقی

دلوں کو دام میں لانا ہی شہریاری سب

نماؤ جس سب سے بڑا اقتدار ہے ساقی

خودی بھی ایک ضرورت ہے اہل جنت کی

گناہ دور ہیں لیکن سوال مست نہیں

نہ تجھے باب زنی ہو تو کیا علاج کروں

میں تباہ تائبوں، ترا باب مجھ پہ بند نہیں

طلب کے وقت سنا ہے زباں نہیں کھلتی

طلب کے وقت فقیروں کو حال آتا ہے

گداگری کی طبیعت کو خوتو ہے، لیکن

بڑے حجاب سے لب پر سوال آتا ہے

تو خلق و صدق کی قدروں کا بھی نہیں تامل

زیادہ تجھ سے کوئی انور و منیر نہیں

پہنچ گیا ہے تو زاہد خدائے انا قریب

ترسے و جود میں انسان کا صنیر نہیں

رتوں کی نافرادی اور چھین
 ایک لمحے میں کسٹارا کر گئی
 جب نظر ڈالی کسی نے کُطف سے
 یوں ہوا محسوس تھوڑی بھر گئی

محبت کی اک ذرا سی آن میں
 دل میں اس مردوش کا پھیرا ہو گیا
 ہم نے جب حق صدق سے سوارہ کیا
 ایک رکت میں سویرا ہو گیا

قیامت کا دن ہے تو پھر کیا ہوا

یہاں ہیں مرے جہان و ایمان لو

مجھے دیکھ کر رنگ کیوں اڑ گیا

ذرا اپنی تصویر پہچان لو

جہانِ رنگ و بو کی سلیمنوں میں

کوئی تو غشہ کر ہے ، جو چھپا ہے

نہیں ہے تو نہ ہو میری بلا سے

مجھے محسوس ہوتا ہے خدا ہے

آپ جب تک نہ التفات کریں

عیب کیسے بنر نہیں ہوتے

زندگی تو طویل مدت ہے

پارہل ہی کسے نہیں ہوتے

نہیں چیزوں کو مانتا ہوں میں

ایک نہیں، ایک آپ، ایک خدا

ما سوا اس کے اور کیا ہوگا

اور ہوگا بھی کچھ تو ریب وریا

خرد کے دوسروں کی خانقاہوں میں نہیں ہوتا

جنوں کے زمزمہ انگیز مینانوں میں نہا ہوا

کنارے پر نہ کیجئے گا زیادہ جستجو میری

کہ میں لہروں کا منوالا ہوں، طوفانوں میں نہا ہوا

ارادوں کے زخشاں آئینے اپنی چمک دکھ کر

خیالوں کے لئے آلودہ شیشاں بننے لگتا ہے

بڑا دلچسپ انسان کی کمزوری کا افشاں

بہاں یہ کہ کے رہتا ہے بہت سے

گدازِ قربتِ احصا م سے دل گھلے جاتے تھے

نفسِ صہبا، بدنِ زربار تھے کل شب جہاں میں تھا

گناہاں ہوتا تھا شاید زندگی پھولوں کا گہرا ہے

گلوں کے اس قدر انا تھے، کل شب جہاں میں تھا

ہیں کتنی بدگمان و مضطرب یہ دو سینائیں

مری مانیں تو ان کو مستقل آرام ہو جائے

نزدیکی چشمِ غزالیں ہیں اگر اک مرتبہ دُور

شریعتِ رنگ بن جائے مشیتِ عالم ہو جائے

یہ وہ بہت خانہ چیرت ہے آزرده کتلونوں کا

کہ جس کے خال و خط منوم اور بیمار ملتے ہیں

حرف و شکستہ ہیں اس واسطے پر پیر کرتا ہوں

کہ ان میں انزال و سرکش کے آثار ملتے ہیں

سے کیا گرفت ہوگی واسطے و درخیز کے

وہ مجد و محدود و ہوش تک مجد و بدلتے

خدا کا نام تو ہے مفت میں بدنام اسے ساقی

عبادت کرنے والا آپ ہی محبوب و ہوتا ہے

مکے دیوانہ پن سے میری آگاہی ہو سکتی ہے

میری تصویر میں شامل تیری تصویر ہے ساقی

سمجھنے والے اس حد تک تو اب تسلیم کر رہے ہیں

میری مستی تو بابر ہم شدہ تقریر ہے ساقی

دل کو نہیں میں کیسے ترازو ہو سکے گا یہ

مے ترکش ہیں صرف اک رنگ نور و تیر ہے ساقی

مے مادل کو تبدیل کرنے اپنی آنکھوں سے

نسب ہے آدمی ماحول کی تعمیر ہے ساقی

مسندِ شیریں تھا جس اُیوان میں

اُس جگہ اب مرقدِ سراوس ہے

ختم ہے اُس کی جفا کا سلسلہ

ہر بانیِ آخری بیدار ہے

آنکھ وہ بھی بے تختہ مٹا

ریشم، وہ بھی اس تند رنگین سی

شیخ صاحب اور سب کچھ چھوٹے

شکل پیدا کیجئے انسان سی

ہیں قتل و جنوں دونوں رستے تھے کوچے کے

یہ چیز بھی نورانی، وہ چیز بھی نورانی

خرمن کی مہاک میرے وجدان کا گلدستہ

بجلی کی چمک میرے ادراک کی عریانی

در اصل وہی تو ہے تہید تعارف کی

کہتے ہیں نگاہوں کی جس چیز کو حیرانی

آتی ہے صدا اس کی ایسے مجھے باطن سے

بہتا ہو کہیں جیسے جھرنوں کا حسین پانی

اب نکل بولے نظر آتے ہیں کچھ

ورنہ دل سادہ سا اک پیمانہ تھا

زندگی کس کی توجہ کے بغیر

دور تک پھیلا ہوا ویرانہ بھٹا

رہبروں کی بات کو ہرگز نہ سن

ان کو اپنے تابع احکام کر

اپنا رستہ خود بنا مثل صبا

چل نہ رہبروں کا دامن تھام کر

کون کون ساکتا ہے یہ عرب اوق

اپنی قیمت آپ ہی ارستام کر

آخرت سازی سیتہ مردوں کا چلن

حال کو آئینہ انجم کر

سبے جنوں بھی ایک فندی بچکنہ

عقل بھی اک وحشت طفلانہ سبے

کہہ رہا تھا رات خود پر محال

زندگی اک لٹنہ ش متانہ ہے

رکن کو تحقیق تجلی کا ہے اور اک یہاں
 کون اس عشوہ مرغوب کو پہچانتے ہیں
 عشق اک اندھی عقیدت ہے وہ جس سے ہو جائے
 کتنے عاشق ہیں جو محبوب کو پہچانتے ہیں

زخم کتنا بھی ہو گرا نہیں اتنا ہلکا ہے
 وقت کتنا بھی ہو دُشوار گزر جاتا ہے
 کیوں پریشاں ہیں نہ معلوم یہ جینے والے
 جس کو جینے کی نہ توفیق ہو مر جاتا ہے

شوق کو رنگ نہ کھا جائے تو ہے نہکتِ گل

غم کے احساس میں بھی ایک خوشی ہوتی ہے

دیکھتے جان نکلتی ہے کہ ارماں دل کا

زندگی حلق میں اُٹکا ہوا اک موتی ہے

اک مقام ایسا بھی آتا ہے مناسب جہاں

تڑک کر رشتہ پا، موج صبا ہو جانا

جس جگہ میں تجھے چھپنے سے اشارہ کر دوں

تُو وہیں قافلے والوں سے جدا ہو جانا

اس تکلف بھرے لطافت کی چھوٹی ٹھنڈک

اور بھی اُن کے کلیپوں کو جلا جاتی ہے

پُھول جب کرتے ہیں شبنم کی عمدت محسوس

رات جلاتے ہوئے کچھ اشک بہا جاتی ہے

کوئی موسم ہو یہ وجدانِ مشیت کی خاک

صورتِ صبحِ ازلِ قس گناں ریتی ہے

جنگلِ اسبابِ جہاں پر ہے تفسیرِ حاوی

اک محبت ہے کہ ہر وقت جہاں ریتی ہے

در دین سے ہیں نہ ہو، اُس کا اثر کیا ہوگا

بزرگوار اس صورتِ مالات سے ڈر لگتا ہے

کوئی مزید کی لئے یاد اگر ہو تو سنا

لے لیتی مجھے نعمات سے ڈر لگتا ہے

بچ کی دست ہو یا شام ہو آسائش کی

مستقل برہم و جموار چلی جاتی ہے

دائرہ ختم کہاں ہوتا ہے ارمانوں کا

زندگی صورت پر کار چلی جاتی ہے

بڑی دیر تک آگ روشن رہے گی

بڑی دیر تک برق لہرا رہی ہے

ترے جسم کی چپاندنی اللہ! اللہ!

مجھے صبح تخلیق یاد آ رہی ہے

یہ کیوں رُک گئی نبض کون و مکان کی

یہ کیوں ٹھم گیا چلتے چلتے زمانہ

کوئی آبِ گیس نہ گرا دو زمیں پر

نہ کوئی تبسم ، نہ کوئی ترانہ

کہ صر حادثہ پنج کے نکلے گا کوئی

تماشے کی غارت گری چار سو ہے

زمانے کی مصروفیت ختم گئی ہے

وہ بیٹھے ہیں اور آئینہ رو رہے

ادھر ہم بھی کچھ کر رہے ہیں توقف

ادھر تم بھی کچھ سوچ رہے ہو

قیامت کا بازار کب گرم ہوگا

نہ ہم جا رہے ہیں نہ تم آ رہے ہو

اب مری حالتِ غمناک پر کُٹھنا کیسا

کیا ہوا مجھ کو اگر آپ نے ناشاد کیا

حادثہ ہے مگر ایسا تو المناک نہیں

یعنی اک دوست نے اک دوست کو برا کیا

حال ہر طالبِ نیاز کا ہے ناگشتہ!

رنگِ ہر صاحبِ اوراقِ کافی ملتا ہے!

صرف ہم ہی نہیں اس شوح کے رستے میں خراب

بیدارِ عالمِ تحقیق بھی شقِ ملت ہے

سب سے محبت کی تڑپ میں وہ علاوت پہنچاں

بسکہ سرمایہ مستی کو بچائے نہ بنے

شہرِ انفاس کے بھلنے کا قلعہ ہے لیکن

اگستہ ایسی مقدس کہ بچائے نہ بنے

پیر چکا چوند نہ پیدا ہوئی پہلے والی

پھر وہ مدہوشی اور اک کا سماں نہ ہوا

ایک ہی بار تری شکل کا عرفاں تھا محال

دوسری بار کوئی آئینہ حیراں نہ ہوا

یہ جوانی کا مہکتا ہوا رنگیں موسم

یہ محبت کا دھکتا ہوا اصلی سونا

آؤ سو جائیں حزاں آنے سے پہلے اک رات

کون دیکھے گا بہاروں کا پریشاں ہونا

ایسے ناشاد ہیں جیسے کوئی دکھیا جو گنا

بن کے خمیازہ ایام ہمارا آئی ہے

زندگی میری غمِ نجومِ خوشی کے لئے

کس سمن پوش کے کٹے ہیں گزار آئی ہے

جیسے نود و دہائی کوئی جانتی ہوئی مست ہوا

جیسے بے ساختہ بنتی ہوئی برسات کا رنگ

زندگی آج ہمیں ایسے ملی ہے سنس کر

جس طرح چشم حیدر میں مدارات کا رنگ

راستے وقت نکلتی ہے جو ہڈیوں سے نما

اس میں خوشید کے سینے کی چھین ہوتی ہے

کیا نئی بات ہے نکلا جو صد ف سے گہرا

ہر اندھیرے میں نہاں ایک کرن ہوتی ہے

کیوں بستے ہو میری جان شجاول اتنا

کیا باروں کی پرستش مرا معمول نہ تھا

آپ جب صبح ازل مجھ کو ملے تھے منہ کر

کیا سے پاک گریباں میں کوئی چھول نہ تھا

نہ اسے ہی آنکھ سے جس ذرے کو ناقص سمجھا

باطنی آنکھ کے معیار پر وہ دُستور نہ تھا

میں نے دیکھی ہے بگولوں میں جوانی تیری

لوگ کہتے ہیں بیاہاں میں کوئی چھول نہ تھا

نظر اُس نے جب بر ملا ڈال دی
 مری زندگی کی بسا ڈال دی
 کیا ٹھٹھکی تو وہ کس ڈھنگ کا
 شکستہ دلوں میں صدا ڈال دی

ارے الاماں ، الاماں ، الاماں
 جباہوں کے اندر گلاب آگیا
 وہ پہلے ہی تصویر سے کم نہ تھے
 مگر اب تو عہد شباب آگیا

ارے ابروئے یار، میری بھی سن

نہ شمشیرِ بن اور نہ عصا مِ بن

کوئی مستقل مرتبہ کرتلاش

کسی کی طبیعت کا آرام بن

غمِ زبیت پر مسکرانا پڑا

ترے جبر کا گیت گانا پڑا

ارادہ تو نزدیک کا تھا مگر

بڑی دُور تک ہم کو جانا پڑا

وہ جو صہبا کشید کرتے ہیں
 کیا خطائے سعید کرتے ہیں
 پھٹکتے ہیں کمند سورج پر
 روشنی کو مرید کرتے ہیں

آخر کار نور دانش کو
 زینت گیٹوئے سیاہ کیا
 میکدے میں وہ عسمر ہاتھ آئی
 مدر سے ہیں جسے تنباہ کیا

چھوڑنے جب کہا میں یوسف ہوں
 کاشش یا قوت ہے وہن میرا
 میں نے پوچھا کوئی ثبوت اس کا
 ہنس کے بولا یہ پیراں میرا

صحن مسجد میں ایک دو حاجی
 دیں کی تکمیل کرنے آئے ہیں
 صف چرا کر جو لے گئے تھے کبھی
 اُس کو تبدیل کرنے آئے ہیں

آدمی کے عمل ہیں جو اس کو

صاحبِ مرتبہ بناتے ہیں

موت اور رزق وہ تو مجبوراً

وقت پر اپنے آہی جاتے ہیں

ساحلِ جو کے سنبل و ریحاں

حسرتِ زخماں کے ڈیرے ہیں

پاؤں آہستہ رکھ کہ رستے ہیں

درد مندوں نے دل بکیرے ہیں

اتفاقاً کبھی جو یار ملیں

صُورتِ برِبط و بہار ملیں

یاد کر لیں ہمیں بھی کھو لے سے

ایسے موقعے اُنھیں ہزار ملیں

بط سے ماہی نے جب کہا جل کر

کیا ہو کر جوئے تن میں آب آئے

بط لگی کہنے جب کباب ہیں ہم

پھر سراب آئے یا حباب آئے

جاگ ساتی کہ حجلہ شب ہیں
ایسا نگر سحر نے مارا ہے
جامِ درویش کی بساط ہی کیسا
جامِ سلطان بھی پارا پارا ہے

یوں خرابات کا طواف نہ کر
بادہ نوشتوں پہ ہاتھ صاف نہ کر
یہ رہِ مخلصانِ مقصد ہے
اس میں اخلاص کے خلاص نہ کر

شیخ صاحب سنا ہے جنت میں

شاد و مطمئن و سب خوش ہوں گے

ہم تو خیر ایک زندہ کشتہ ہیں

آپ کس طرح خوش ہوں گے

یار! خیر تمام اگر شرابی ہے

ہمدرد چہرہ کتابی ہے

زندگی ہی نہیں تری سرخوش

آخرت بھی تری گلابی ہے

سوا اس کے ہوگی دہاں اور شے کیا

ہو اسے نشاطِ خرابات ہوگی!

جیسے نچ منہ سمجھتی ہے دُنب

خوشی کی کوئی بے وفائت ہوگی

ہزار خوابِ حسیں تب تباہ ہو جائیں

تر پھر کہیں کوئی تعبیر خواب ملتی ہے

دکھائی دُور سے دیتے ہیں جانِ فزا چشتے

قریب جاؤ تو موجِ سراب ملتی ہے

بڑے سکوں سے پہنچ جائیں گے کنارے پر

بڑا سبک نظر آتا ہے اب سفر اپنا

سفینہ غرق ہوا بھی تو کس جگہ ہوگا؟

ہوا درست، خدا مہرباں، بھنور اپنا

صُراحی کے روشن ستاروں کے اندر

مقدّر کے کتبے رقم دیکھتے ہیں

کتابوں سے بد شے نہیں مانتے لکھتی

پیالوں میں احوالِ جم دیکھتے ہیں

مجھے زیر سایہ بسر کرنے دیجئے

پرندوں کی مانند مسرور ہو کر

مجھے آزمائش میں مت ڈالئے گا

میں مرجاؤں گا آپ سے دُور ہو کر

غموں کے اندھیرے بڑے بکیراں ہیں

پیراغِ مِی رُوح پرور جلا دے

اگر روتے روتے بہت تھک گئے ہو

تو اے رشنے والا! ذرا مسکرا دے

معجزہ کوئی ایسی چیز نہیں

مُحَن اگر دستگیر ہو جائے

مُحَن بے تیشہ پڑے اگر گھسری

کیا شہر جھوٹے شیر ہو جائے

جب تک رگوں میں خون کی گردش ہے ہوجزن

منہ و دم زندگی ہے چھن چھن چھینا چھن

نکلی نہ جھوٹے شیر تو کیا بلاں قدر تو ہے

سُتار رہا سرورِ رگ کوہ بے تیشہ زن

مستقم ہے سکوئت ادب کی حدت کا

آبال کما کے نوائے سروش ہو جانا

مرا خیال ہے متراج ہے شکایت کی

ترسے تغور ہمارا خموش ہو جانا

ہر تجلی کو آنکھ سے چوما

ہر سہیں پیر سے محبت کی

اسے خدا تجھ کو ڈھونڈنے کے لئے

جہم نے پیچہ کی بھی عبادت کی

اُف جوانی کی یہ چھپ اور تختی کا ہجوم
 رنگ کے ساتھ تمازت کی فراوانی ہے
 آنکھ کو مے میں جھگوڑوں تو کروں جرات دے
 مہر جبینوں کے رُخوں پر بڑی تابانی ہے

حیات کے اسی پتے ہوئے بیاباں ہیں
 مقام ایک عجیب و غریب آتا ہے
 عدم ملول نہ ہو اُس کی سر دھری سے
 اِس امتحاں ہیں کوئی خوش نصیب آتا ہے

وہ گم نہی کے از حسیروں کی آخری حد فقی
 جہاں سے ایک حسین راستہ طالع ہوا
 تجھت اس طرح جاگی عناصرِ دل میں!
 کہ جیسے دل میں شہورِ خشتِ اطلال ہوا

تو شہور سے اسرارِ غیب ہیں روشن
 تھے وجود سے تزیینِ کائنات تو ہے
 تری ہی ذات ملائے گی ہم کو بزواں سے
 خدا کی ذات نہیں ہے تو تیری ذات کو

مرا خیال تھا قوڑی سی روشنی ہوگی

مگر ضیا کی جگہ بکیراں اندھیرا تھا

پہنچتا کیسے میں بروقت اپنی منزل پر

کہ راستے میں مجھے رہبروں نے گھیرا تھا

ضرورتیں تو بڑی زندگی میں ہوتی ہیں

مگر طلب کو خود سے التجا نہیں آتی

اکھا تو ہوگا کئی بار دستِ بخوری

ستمِ ظریف کو لیکن دُعا نہیں آتی

باور نہ اور پیل پڑی، رُحِ طرب پیل پڑی

سازد سب کُنک پڑے، دُور میں جام آگیا

دیکھ کے رُسے بار پر عالم کاکل جواں

پہرہ آفتاب پر دامنِ شام آگیا

جو بھی صلا ملا اُسے، اُسے کے بڑے غور سے

شیشِ نصیب آڑا، کس کے سلام آگیا

منزل کُٹے دوست کے دُور ہی تو ہیں فقط نشان

یا کوئی تیر لگ گیا۔ یا کوئی جام آگیا

بربادی تو اک سونہ ہے اس کی چمک کیوں کھوٹا

کیوں بیکار رہیں ہیں کیوں بے سرفراز کریں

کیسی محبت کی عبارت ہم پر سب کچھ روشن تھا

گوئی ذرا یہ شوق ہوا تھا آؤ دل برباد کریں

دے جاؤں بھر کر اک کہ مکیش بزم سے اٹھنے والے ہیں

نا کوئی دن اگلے اک کہ مکیش بزم سے اٹھنے والے ہیں

کیوں غم سے گرتا رہتا ہے باقی ہے بہت سی باتیں

بد قسمت ساقی جاگ کہ مکیش بزم سے اٹھنے والے ہیں

آپ عیث کیوں گھبراتے ہیں
 کیل سب کوئی وام نہیں ہے
 دل ہاتھ دیکھ رہے ہیں!
 آپ سے کوئی کام نہیں ہے

تیرا ذکر اتفاقاً، ترا نام ہے ارادہ
 یہ حدیث ہے تیرا، وہ کلام ہے ارادہ
 مری اک صفت خدا کو یہ بڑی پسند آئی
 مری حق بنی لفظ نہیں تھیں وہ تمام ہے ارادہ

روز کس کو نصیب ہوتی ہے

چاندنی شب کے آگینے کی

مختب آج اعتراض نہ کر

چودھویں رات ہے مہینے کی

اے رفیقانِ قدحِ آشام و رخندہ ضمیر!

حشر کے دن بھی ہوائے کامرانی آئے گی

میکشوں کے پاؤں لینے کو بڑھے گی موج

شاعروں کے خیر مقدم کو جوانی آئے گی

مٹی کی مونالیزا

اے حمید

جتنے خوبصورت افسانے اے حمید نے
لکھے ہیں۔ کم کسی نے لکھے ہونگے
۔ ساری ہی رومانی فضا، سارے
ہی رومانوی کردار۔ یہ خاصہ صرف
انہی کے افسانوں میں ملے گا۔
مٹی کی مونالیزا، اے حمید کے نئے
افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا ایک
ایک افسانہ، دل ہی کی دھڑکنوں
کے ساتھ لکھا گیا ہے اور دل ہی کی
دھڑکنوں کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

ادارہ فروغ اردو - لاہور

عدم کے دوسرے شعری مجموعے

۲/-	(۱) قول و قرار
۳/-	(۲) پیچ و خم
۳/-	(۳) باغ و بہار

معیاری کتابیں

۷/۸	جگر مراد آبادی	(۴) شعلہ طور
۱۰/-	عمر ابو النصر	(۵) خلفائے مجدد
۳/۸	احمد ندیم قاسمی	(۶) بازار حیات
۵/-	فراق گور کھپوری	(۷) اندازے
۳/-	محمد طفیل	(۸) جناب
۴/۴	ابو سعید قویشی	(۹) منٹو
۲/-	اردو غزل گوئی فراق گور کھپوری	(۱۰)
۳/-	مر کندوں کے پیچھے منٹو	(۱۱)
۳/-	قتیل شفائی	(۱۲) وزن

تصانیف شوکت تھانوی

۴/۸	(۱۳) بھابی
۶/-	(۱۴) نیلو قر
۴/-	(۱۵) بار خاطر
۲/۴	(۱۶) بے قاعدہ
۳/۸	(۱۷) مولانا
۶/-	(۱۸) غزالہ
۳/-	(۱۹) خدا نخواستہ
۳/-	(۲۰) سودیشی ریل
۳/۸	(۲۱) کتیا
۳/۸	(۲۲) سانچ کو آلیچ
۳/۸	(۲۳) سسرال
۶/۴	(۲۴) کارٹون
۳/۸	(۲۵) مابدولت
۳/-	(۲۶) بقراط
۳/۸	(۲۷) جوڑ توڑ
۴/-	(۲۸) مضامین شوکت
۳/۸	(۲۹) قاضی جی (مکمل)
۱۰/۸	(۳۰) غالب کے ڈرامے
۲/۸	(۳۱) وغیرہ وغیرہ
۳/-	

رات چور اور چاند

آج تک اردو میں کل تین چار ہی تو قابل ذکر
ناول لکھے گئے - ان میں اب جا کر ایک اور
سعر کے ناول کا اضافہ ہوا ہے - جسے

بلونت سنگھ

نے لکھا ہے - یہ ناول قسط وار نقوش میں شائع ہوتا رہا ہے۔
جس کی دھوم بھی ہوئی ہے - اس لئے کہ اس میں بلونت سنگھ
کا فن عروج پر ہے - جزئیات نگاری بلونت سنگھ پر ختم ہے
پنجاب کی زندگی کا بھرپور نقشہ جیسے بلونت سنگھ نے پیش
کیا ہے - وہ بھی انہی کا حصہ ہے -
جس ناول کی عرصے سے مانگ تھی - وہ اب چھپ گیا ہے -

قیمت سات روپے

ادارۂ فروغِ اردو لاہور